مسز رابعہ اقبال :

پاکستانی خواتین اور اردو تحقیق

(پی ایچ ڈی کے چند غیر مطبوعہ مقالات تحقیق کا جائزہ)

پاکستانی خواتین کے مطبوعہ مقالات تحقیق برائے پی ایچ ڈی کا ایک جائزہ "تحقیق" شمارہ ۲ (۱۹۸۸ء) میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اب پاکستانی خواتین کے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالات برائے پی ایچ ڈی کا ایک مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ مطبوعہ مقالات تحقیق سے نسبتہً زیادہ بڑی تعداد میں غیر مطبوعہ مقالات تحقیق کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ اس کا تحقیقی جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر طور پر اس میدان میں پاکستانی خواتین کی پیش رفت کا اندازہ کیا جا سکے۔ یہ غیر مطبوعہ مقالات مختلف یونیورسٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیے خاص تگ و دو کرنی پڑے گی۔ تاہم یہ کام ضروری طور پر کرنے کا ہے۔ ذیل میں چند دستیاب غیرمطبوعہ تحقیقی مقالات کا ایک جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس میں مقالات کے موضوعات ، مشمولات، اہم نکاتِ تحقیق اور رسمیاتِ تحقیق کے بارے میں خاص طور سے معلومات پیش کی گئی ہیں۔ رسمیاتِ تحقیق سے ہماری مراد حواشی و توضیحات ، اقتباسات ، حوالہ جات ، تعلیقات ، اور کتابیات وغیرہ کے بارے میں یہ دیکھنا ہے کہ اس لحاظ سے تحقیق کے مروجہ جدید طور طریقوں کو کس حد تک برتا گیا ہے۔

(۱)

سب سے پہلے آن دو خواتین کے تحقیقی کام کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے قرآن کے حوالے سے اردو زبان و ادب کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ ان میں پہلا مقالہ ڈاکٹر کشور سلطانہ کا ہے اس کے نگراں ملک کے مشہور بزرگ محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ہیں۔ یہ سندھ یونیورسٹی میں ۱۹۷۲ء میں پیش کیا گیا۔ یہ خاصا مشکل موضوع تھا یعنی "اردو شاعری میں قرآنی تلمیحات"۔ اس کے لیے اردو شعر و ادب پر دسترس کے علاوہ قرآنیات پر عبور ضروری تھا، جو ہمارے اس زمانے میں کم تر دیکھنے میں آتا ہے۔ مقالہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ضروری صلاحیتیں مقالہ نگار میں اطمینان بخش طور پر موجود ہیں اور انھوں نے کامیابی کے ساتھ تحقیق کے تقاضے پورے کیے ہیں۔

مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ اول میں شعرائے اردو پر دینی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اور تلمیحات سے متعلق ضروری توضیحات پیش کی گئی ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ شعرأ کی تلمیحات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے، جو ظاہر کر رہی ہے کہ اپنے اپنے ذوق و رجحان کے لحاظ سے شعرأ تلمیحات کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآنی تلمیحات کی ایک فہرست بہ لحاظ حروف تہجی شامل ہے۔

ان ضروری تمہیدات کے بعد حصۂ دوم میں تفصیلاً اردو میں قرآنی تلمیحات کی نشان دہی مثالوں اور ماٰخذ کے حوالوں کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ مقالے کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس تحقیق سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک کثیر تعداد میں اردو شاعری میں قرآنی تلمیحات ملتی ہیں۔ دوسرے اس سے اردو شعر و ادب

پر مذہب اسلام کے اثرات کی بہ خوبی نشان دہی ہوتی ہے؛ اور یہی اس مقالے کا حاصل تحقیق ہے۔ مقالہ نگار نے اپنے اس نتیجۂ تحقیق کو مزید تقویت دینے کے لیے آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا ہے جس میں اردو ادب پر مذہب کے اثرات کی نشان دہی کی ہے۔

مقالے کے آخر میں ماخذات کی فہرست بھی شامل ہے لیکن اس فہرست میں کتابیات کے کسی جدید نظام کی پابندی نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ ہر ماٰخذ کے تمام ضروری کوائف بھی درج نہیں کیے۔ توقع رکھنی چاہیے کہ اگر کبھی اس مفید تحقیقی کام کے چھپنے کی نوبت آئی تو مقالہ‌نگار اس کمی کو دور کریں گی۔

(۲)

اس سلسلے کا دوسرا مقالہ ڈاکٹر شمیم نکہت کا ہے جس کا موضوع "اردو میں قرآنی محاورات" ہے۔ اس مقالے کے نگراں بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ہیں یہ مقالہ ۱۹۷۳ء میں پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں خود بھی اس موضوع پر غیرمعمولی دسترس رکھتے ہیں۔ ایک مختصر کتاب بھی تصنیف کر چکے ہیں جس میں اللہ کے ننانوے (۹۹) ناموں کی رعایت سے بہ طور نمونہ اردو میں قرآن اور حدیث کے ننانوے محاورات کی نشان دہی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر شمیم نکہت نے صرف قرآنی محاورات کو اپنا موضوع تحقیق بنایا ہے۔ یوں تو دنیا کی بہت سی زبانیں مشترک الفاظ و محاورات، ضرب الامثال اور تلمیحات میں اشتراک رکھتی ہیں اور اس توافق لسانین کا سبب ایک عالمگیر انسانی برادری بھی ہوسکتی ہے مگر اسلامی دنیا پر قرآن کی زبان، الفاظ و اسالیب، محاورات و حکایات نے زبردست اثر ڈالا ہے۔ جس کا حیرت انگیز اظہار ایک

ہمہ گیر اور آفاقی پیمانے پر کل عالم اسلام کی زبانوں پر اور بالواسطہ ان کے زیر اثر زبانوں تک پہنچتا ہے۔

اس سلسلے میں قرآنی محاورات کے اثرات کی نشان دہی اردو زبان و ادب کے حوالے سے بھی کی جا سکتی ہے۔ اس سے اردو زبان و ادب کی ساخت اور ترکیب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس اہم علمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ڈاکٹر شمیم نکہت نے اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا۔

فاضل مقالہ نگار نے مقالے کو چھے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب "اردو نظم و نثر پر قرآن کے اثرات" کے عنوان سے ہے۔

اس باب میں قدیم اردو ادب سے لے کر عہد جدید تک قرآن و حدیث کے اثرات کا جائزہ لیا ہے اور اردو ادب سے مثالیں دے کر اپنے اس جائزے کو پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے کہ قرآن و حدیث نے کس طرح اردو زبان کو نئے اسالیب و تراکیب دے کر ایک نیا لہجہ عطا کیا۔ دوسرا باب "محاورات بلحاظِ سورت" کے عنوان سے ہے اس میں ڈاکٹر شمیم نے نہایت شرح و بسط سے ہر ایک سورۃ میں شامل محاورات کی نشان دہی کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ سورۃ البقرہ سب سے بڑی سورۃ ہے، اور اسی میں سب سے زیادہ محاورے ہیں۔ تیسرے باب میں حروف تہجی کے لحاظ سے تمام محاورات یکجا کیے گئے ہیں۔ اگلا باب محاورات، بلحاظ پارہ، سورۃ رکوع اور آیت کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اردو میں قرآنی محاورات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ حوالوں کے لیے اردو ادب کے مختلف العہد شعراً اور نثر نگاروں کی تخلیقات کے نمونے دیے گئے ہیں۔ کم و بیش چار سو محاورات کو یکجا کیا ہے جو خود اپنی جگہ ایک اہم کام ہے اور فاضل مقالہ نگار کی محنت کی دلیل ہے۔

محاوروں کی ترتیب پاروں کے لحاظ سے ہے۔ سب سے پہلے پارہ الم اور آخر میں تیسواں پارہ عم یتالون ہے۔ آخری باب میں عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شمیم نکہت کہتی ہیں کہ امیر خسرو سے لے کر آج تک شعراء نے نہ صرف فارسی میں قرآن و سنت کے مضامین کو نظم کیا بلکہ اردو شاعری کے ذریعے بھی ان خیالات و افکار کو اپنے کلام کا حصہ بنایا۔ شعراً کے نعتیہ کلام میں قرآن و حدیث کے اثرات کلی طور پر نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر شمیم نکہت نے بلاشبہ بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے یہ مقالہ تحریر کیا ہے۔

رسمیاتِ مقالہ نگاری کے لحاظ سے اس مقالے میں کتابیات کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ پاورقی حوالہ جات موجود ہیں مگر اس میں بھی ترتیب صحیح نہیں ہے۔ اکثر حوالوں میں کتاب کا نام ہے مگر مصنف کا نام نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے بھی متن ہی میں سمو دیے ہیں۔ ان کی تفصیل کتابیات کی صورت میں سامنے آتی تو کام زیادہ وقیع ہوجاتا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اشاعت کے وقت فاضل مقالہ نگار اس کمی کو دور کرلیں گی۔

(۳)

ایک اور مقالہ تحقیق ڈاکٹر رفعت سلطانہ کا ہے جس کا موضوع "اردو نثر پر تصوف کے اثرات" ہے۔ یہ مقالہ بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ یہ ۱۹۷۳ء میں تکمیل کو پہنچا تھا۔ موضوع خاصا اہم اور پھیلا ہوا ہے، کیونکہ اردو نثر میں تصوف کے اثرات کا سلسلہ تو شروع ہی سے قائم ہے اور متقدمین صوفیہ کی اردو نثر، اردو نثری تاریخ کے ابتدائی دور ہی

سے ملنے لگتی ہے اور اس وقت سے لے کر آج تک اردو میں ایک عظیم اور ضخیم سرمایہ اس موضوع پر سامنے آچکا ہے۔ اس میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں طرح کی کتابیں شامل ہیں۔ غرض کہ یہ ایک بہت پھیلا ہوا مضمون ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ تصوف کے اثرات صرف تصوف کی کتابوں تک محدود نہیں، شعر و ادب نے بھی تصوف کے اثرات قبول کیے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ ہمارے معاشرے کی اہم خصوصیت رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اس لحاظ سے دیگر اصنافِ نثر میں بھی تصوف کے اثرات موجود ہیں۔

اس پھیلے ہوئے موضوع کو مقالہ نگار نے سات ابواب میں سمیٹا ہے اور خاصی محنت کر کے تصوف کے اثرات کی نشان دہی کی ہے۔ اس سلسلے میں مطبوعات و مخطوطات دونوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے خاص موضوعاتِ تحقیق یہ ہیں۔ پہلے باب میں بہ طورِ تمہید یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف کیا ہے، یا بالفاظ دیگر مستند ارباب تصوف نے تصوف کا کیا تصور پیش کیا ہے۔ انھوں نے بالخصوص جامی اور مجدد الف ثانی کے حوالے سے اس دشوار مرحلے کو طے کیا ہے اور اس کے مطابق اخلاص و احسان اور صبر و توکل کی تعلیم کو تصوف کا اصل اصول قرار دیا ہے۔ اس کے بعد باب دوم میں متقدمین صوفیہ کی اردو نثر کا جائزہ لیا ہے۔ وہ اس سلسلے کو بزرگانِ دین کے آن ملفوظات سے شروع کرتی ہیں جو آٹھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں اور جس میں اردو کے الفاظ و فقرات آتے ہیں۔ پھر معراج العاشقین کا ذکر ہے جسے مشہور عام غلطی کی مطابقت میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب کیا ہے۔ خواجہ بندہ نواز

گیسو دراز سے اس کا انتساب پورے طور پر غلط ثابت ہو چکا ہے ، اس لیے مقالے کا یہ حصہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔ متقدمین میں حضرت شرف‌الدین یحییٰ منیری کے فال نامے اور ایک منظوم نسخے کا ذکر بھی آتا ہے۔ فال نامہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی کتاب "علمی نقوش" میں شامل ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر رفعت سلطانہ، سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ایک رسالے کا ذکر کرتی ہیں۔ یہ رسالہ مشکوک، بلکہ معدوم ہے۔ اس کو متعارف کرانے کی غلطی کے ذمہ‌دار درد کاکوروی ہیں جو اس کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف بیانات دیتے رہے ہیں۔ فاضل مقالہ نگار کو اس رسالے کے وجود کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے تھا اور وہی راہ اختیار کرنی چاہیے تھی، جو اکثر محتاط محققوں نے اس رسالے کو تسلیم نہ کرکے اختیار کی۔ اس کے بعد چند قدیم ملفوظات میں اردو فقروں کی نشان دہی کرکے شمس العشاق میراں جی اور ان کے فرزند شاہ برہان‌الدین جانم کے رسائل اور شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات موسوم بہ "بحرالحقائق" کا تعارف و تجزیہ ہے۔ اسے متقدمین صوفیہ کی اردو نثر کا محض ایک سرسری جائزہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

باب سوم میں قرآنی تراجم و تفاسیر میں تصوف کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تصوف کا قرآن سے گہرا رشتہ ہے اور تصوف کے اثرات کی نشان دہی قرآن کے تراجم و تفاسیر میں ایک مفید اور دل چسپ مطالعہ پیش کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض تراجم و تفاسیر تصوف کے رنگ میں ہیں جیسا کہ ڈاکٹر رفعت سلطانہ کے اس جائزے سے بخوبی ظاہر ہے۔

چوتھے باب میں اردو نثر میں تصوف کی کتابوں کے ترجموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کے ذیل میں تصوف کی اہم کتابوں

کے اردو تراجم کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام اہم کتابوں کے تراجم کا ذکر اس ذیل میں آگیا ہے۔

پانچویں باب میں ،اردو نثر کے اس سرمائے کا عہد بہ عہد جائزہ لیا گیا ہے، جس کا تعلق تصوف سے ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے عہد بہ عہد جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے اہم مراکز کو بھی اپنی تقسیم میں جگہ دی ہے۔ اس مطالعے کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اردو کی دور بہ دور ترقی میں سب مراکز ادب میں، تصوف کو ایک اہم قوتِ محرکہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

چھٹے باب میں تصوف سے تعلق رکھنے والے اردو نثر کے اس تمام لٹریچر کا جائزہ لیا گیا ہے جس کی طویل فہرست قاموس الکتب میں ملتی ہے۔ یہ حصہ بھی خاصا معلومات افزا ہے۔ لیکن مطبوعہ قاموس الکتب کے پیش نظر اسے تحصیلِ حاصل ہی کہا جائے گا۔

آخری اور ساتویں باب میں اردو نثر پر تصوف کے مجموعی اثرات کا بیان ہے۔ اسے ایک لحاظ سے نتائج تحقیق کا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔

مقالے کے آخر میں کتابیات موجود ہے جو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے اور سب ضروری کوائف اس میں آگئے ہیں۔

(۴)

اب ڈاکٹر ثریا صدیقی کے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالے "اردو شاعری کا دینی پس منظر" کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس مقالے پر موصوفہ کو سنہ ۱۹۸۱ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند عطا کی گئی۔ یہ مقالہ بھی ملک کے بزرگ محقق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی زیر نگرانی لکھا گیا۔

حرف آغاز اور تمہید کے بعد مقالے کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول کا عنوان ہے اردو شاعری کے ذہنی پس منظر میں اسلام کے بنیادی عقائد کا مطالعہ۔ فاضل مقالہ نگار نے اس باب میں قرآن پاک و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالوں سے اسلام اور شعائر اسلام پر بحث کی ہے اور ابتدائی دور کے اردو شعراء کے کلام سے مثالیں دے کر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ صوفیہ کرام نے اردو زبان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اصلاح معاشرہ اور احیائے اسلام کا کام روحانیت کی راہ سے شروع کیا گیا تھا اور دینی تصورات اور اسلامی تعلیمات کا سرمایہ اردو زبان میں مجتمع ہونا شروع ہوا۔ اکثر بزرگان دین نے قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نئی زبان اردو میں نظم کیا۔ ڈاکٹر ثریا صدیقی نے اردو شاعری پر اسلامی عقائد و ارکان کی چھاپ کی نشان دہی کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اردو شاعری کے ہر دور میں اور تمام اصناف میں کہیں نہ کہیں اسلامی اثرات ضرور نظر آتے ہیں، جن اصناف میں زیادہ واضح طور پر نظر آتے ہیں وہ حمد و نعت و منقبت، قصائد اور مراثی ہیں۔

باب دوم "اردو شاعری میں قرآنی قصے" کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے قرآن پاک کی اس آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ: وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (سورہ ہود: آیت ۱۲۰)

"ہم نے پیغمبروں کے حالات میں سے جتنے قصے تیرے سامنے بیان کیے ہیں، ان سب کا مدعا یہ ہے کہ تیرے دل کو ڈھارس بندھے۔

علاوہ بریں ان میں تیرے لیے حق اور مسلمانوں کے لیے نصیحت اور ذکر بھی ہے۔"

قرآن کے حوالے سے مقصدی ادب کی ابتدا پر بحث کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مقصدی ادب کا چرچا جو آج سننے میں آرہا ہے اور ادیب اسے دور حاضر کا کمال سمجھتے ہیں، اسے چودہ سو سال پہلے اسلام نے تاریخی ادب کے مقصد اور مدعا کے بارے میں یہ کہہ کر کہ ان سے انسان کے دل کی ڈھارس بندھے، ادب کا بنیادی مقصد پیش کر دیا۔ یہ قصے مقصدی ادب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ثریا صدیقی نے اپنی اس دلیل کی وضاحت کے لیے قرآن پاک سے چند اہم قصوں کو منتخب کر کے اردو شعراء کے کلام سے انتخاب پیش کیا ہے۔

باب سوم "صنعتِ شعر کا ذہنی پس منظر" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں اردو شاعری کے اسالیب کے ذہنی پس منظر کو واضح کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں قرآن حکیم، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی عقائد و افکار و خیالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اردو شاعری کے مختلف ادوار سے حوالے پیش کیے ہیں۔

چوتھا باب "اسلامی تاریخ کے آئینے میں اردو شاعری کا ذہنی پس منظر" کے عنوان سے ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے تاریخ کے تناظر میں اردو شاعری کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے کو وسعت دیتے ہوئے، مسلمانوں کے عروج و زوال کے جو حوالے اردو شاعری میں ملتے ہیں ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔

باب پنجم میں اردو شاعری کی مختلف اصناف میں الگ الگ، دینی پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، مسدس، غرض تمام اہم اصناف میں اسلام اور مسلمانوں کے حوالے

سے جو واقعات، حالات اور اشارے ملتے ہیں، ان کا مختلف العہد شعراء کے کلام کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور حوالے بھی پیش کیے ہیں۔

باب ششم "اردو شاعری میں اسلامی کردار اور اسلامی اقدار کا پرتو" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں تصوف اور اس کے حوالے سے اردو شاعری پر بحث کی ہے اور مختلف ادوار میں اردو شاعری پر تصوف کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ نمایندہ شعراء کے کلام سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ دراصل تصوف کا دائرہ صرف تصوف کی کتابوں تک محدود نہیں، اردو شاعری اور اردو نثر نے بھی ان اثرات کو قبول کیا ہے۔

آخری باب میں خلاصۂ کلام پیش کیا ہے: اسے ایک طرح سے نتائج تحقیق کا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔ مقالے کے آخر میں کتابیات دی گئی ہے۔ اس میں کم و بیش ۶۷ کتابیں شامل ہیں۔ ماورق میں کتابوں کے حوالے پوری تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی کے حوالے صرف متن میں پیش کیے گئے ہیں اور ان ماخذ کو کتابیات میں شامل نہیں کیا گیا۔ کتابیات میں رسمیات مقالہ نگاری کی پابندی نہیں کی گئی بلکہ ماخذات کے حوالے جس ترتیب سے متن میں آئے ہیں درج کردیے گئے ہیں۔ اگر الفبائی ترتیب کے ساتھ مصنفین کے ناموں کو پیش کیا جاتا، تو مقالے کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا۔ ہمیں امید ہے کہ مقالے کی اشاعت کے وقت فاضل مقالہ نگار اس کمی کو دور کرلیں گی۔

(۵)

اب ایک اور تحقیقی مقالے "اسلامی کلچر اردو مرثیے کے آئینے میں" کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ مقالہ نگار ڈاکٹر رضیہ سلطانہ ہیں۔ اس مقالے کے نگراں، علاوہ دیگر حضرات کے ڈاکٹر عبیداللہ خاں

ہیں۔ یہ سنہ ۱۹۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی میں پیش کیا گیا اور منظور ہوا۔ مقالہ خاصا ضخیم ہے اور کم و بیش ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

مقالے کے ابتدائی دو ابواب میں "کلچر" اور "برصغیر کا مسلم کلچر" سے بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کی روشنی میں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ موضوع مسلم کلچر اردو مرثیے میں ہوتا، کیونکہ مقالے کے مشمولات تمام تر اسلامی کلچر کے بجائے (جو ایک آفاقی نوعیت رکھتا ہے) برصغیر کے مسلم کلچر سے وابستہ ہیں۔ اس جملۂ معترضہ کے بعد اب ہم تیسرے باب کی طرف آتے ہیں جس میں مرثیے کا مطالعہ ایک تاریخی اور روایتی معاشرت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس ذیل میں خلفائے راشدین اور ان کے قریبی زمانے کے تاریخی اختلافات بھی تفصیلاً آ گئے ہیں۔ حالانکہ ہماری ناچیز رائے میں اس تاریخی تفصیل کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مرثیے کی صرف ادبی روایت کو زیر بحث لانا چاہیے تھا۔

چوتھے باب میں وہ پورے طور پر اپنے موضوع کی طرف آتی ہیں اور دکنی مرثیے کا سیر حاصل تحقیقی جائزہ پیش کرتی ہیں، جو کم و بیش سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس جائزے میں مرثیے کی خصوصیات اس دور کی تہذیب کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں۔

پانچویں باب میں شمالی ہندستان کے مسلم کلچر کے حوالے سے اور چھٹے باب میں اودھ کے مسلم کلچر کے حوالے سے مرثیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ تینوں ابواب یعنی چوتھا، پانچواں اور چھٹا ہی مقالے کا خاص حصہ ہیں۔ جن میں مسلم کلچر کے تین بڑے مراکز کے لحاظ سے جدا جدا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ حصہ ایک عمدہ

تحقیقی کاوش ہے۔ آخری یعنی ساتویں باب میں تہذیبی ادبیات میں اردو مرثیے کا مقام متعین کیا گیا ہے۔ یہ ساتواں باب بھی خاصا جاندار ہے۔ اس میں دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں مرثیے کی امتیازی خصوصیات اور اس کی تہذیبی انفرادیت سے بحث کی گئی ہے۔

فاضل مقالہ نگار اپنے آخری تجزیے میں اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تقریباً ہر مرثیہ نگار کے سامنے اپنے دائرہ سخن کی تہذیبی روح رہی ہے۔ وہ تاریخ کو جوں کا توں دہرانے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ طرح طرح سے مرثیے کے ارضی ماحول اور اس کی تہذیبی فضا کو لفظی مرقعوں اور خیالی خاکوں سے آراستہ کرتا ہے، اور دوستی دشمنی کے رویوں کو ایک حسی تجربے کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس اعتبار سے مرثیے کے تہذیبی پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے مرثیہ نگاروں کے شعری میلان اور نفسیاتی سرچشموں کو نظرانداز نہیں کیا جانا چاہیے۔

آخر میں ایک تفصیلی کتابیات شامل ہے جو بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور عمدہ طور پر مرتب کی گئی ہے۔ اس میں اساسی مآخذ کی جدا جدا تقسیم بھی ملتی ہے اور مآخذ کے تمام ضروری کوائف بھی شامل ہیں، گوکہ ان کوائف کو رسمیات تحقیق کے مروج اور معیاری طریقوں کے مطابق مرتب نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ کتابیات میں از اول تا آخر کتاب کے نام کو سب سے پہلے درج کیا گیا ہے جبکہ مصنف کا نام قابل ترجیح ہے۔

(۶)

ایک اور تحقیقی مقالہ ڈاکٹر مسز حسین بانو کا ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی نگرانی میں تیار ہوا یہ ایک خاتون

محقق کا پہلا تحقیقی مقالہ ہے جو سندھ یونیورسٹی میں سنہ ۱۹۶۷ء میں پیش ہوکر منظور ہوا۔ اس کا موضوع "ناسخ اور ان کے تلامذہ" ہے۔ یہ اردو کے ایک اہم شاعر اور اس کے تلامذہ کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ شاعر کا تعلق ایک اہم مرکز شاعری سے ہے جس کی اپنی علمی روایات ہیں اور جس کے پیچھے ایک دلچسپ تاریخ ہے۔ ناسخ پر اس سے قبل اس نوعیت کا کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا تھا۔ اس لیے موضوع کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ اب ذیل میں اس مقالے کے اہم تر اجزاٗ کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا باب اردو کی ترقی اور ناسخ کے حالات زندگی اور عہد و ماحول سے متعلق ہے۔ علاوہ ازیں ناسخ کے اثرات اور لکھنؤ کے عام مذاق شاعری کا بھی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ ناسخ اس عہدو ماحول اور اس مذاق کے سب سے بڑے علمبردار ہونے کی وجہ سے بجا طور پر دبستان لکھنؤ کے بانی کہے جاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ باب خاصا جاندار ہے اور ظاہر کر رہا ہے کہ مقالہ نگار کی رسائی تمام ضروری مصادر تک ہوگئی ہے۔

باب دوم میں بھی خاصی محنت کی گئی ہے۔ اس باب میں ناسخ کے کلام کے ادوار قائم کیے گئے ہیں اور معاصرین کے کلام سے ہم طرح زمینوں میں تقابل پیش کیا گیا ہے، جس سے معاصرین پر ناسخ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ اثرات کی نشان دہی ہوتی ہے اور نہ صرف ناسخ کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ ناسخ کی خدمات زبان اردو بھی سامنے آتی ہیں۔

تیسرے باب میں ناسخ کی شاعری کا اس لحاظ سے جائزہ لیا گیا ہے کہ ناسخ سے قبل کی صورتِ حال کیا تھی اور ناسخ کے

بعد اردو شاعری اور شعری زبان کی صورت حال کیا رہی اور جو کچھ تبدیلیاں ظہور میں آئیں ان کے اسباب کیا تھے۔

چوتھے باب میں ناسخ کے متروکات اور اثرات اور نادرات یا مختصات کا مزید سیر حاصل تجزیہ کیا گیا ہے۔ آخر میں ناسخ کے اختراعات کے ساتھ ساتھ ناسخ کے معائب کی بھی نشان دھی کی گئی ہے۔

پانچویں باب میں اس امر سے بحث کی گئی ہے کہ ناسخ نے غزل ھی پر کیوں توجہ مبذول کی اور یہ کہ صفائی کو ناسخ کے کلام کا جزوِ اعظم کہا جا سکتا ہے۔ اسی ذیل میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ فن کیا ہے اور فن شعر کی اصلاح ناسخ نے کس طور پر کی ہے۔ چھٹے باب میں ناسخ کی شاعری کے تاریخی پس منظر اور پیش منظر کا بیان ہے۔ اس ذیل میں دربار لکھنؤ اور عام لکھنوی معاشرت کو زیرِ بحث لانے کے علاوہ ناسخ کے کلام کا تاریخی تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

آخری دو ابواب ناسخ کے تلامذہ کے لیے خاص ہیں۔ ساتویں باب میں وہ ناسخ کے خاص خاص تلامذہ اور ان کی خصوصیات کو زیر بحث لاتی ہیں۔ جبکہ آٹھویں باب میں ناسخ کے ہم رنگ تلامذہ کا ذکر ہے اور تقابل کے لیے یا ہم رنگی ثابت کرنے کے لیے ان تلامذہ کا کلام بھی درج ہے۔

ہمارے خیال میں مقالہ نگار اپنے کارِ تحقیق سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئیں۔ آخر میں کتابیات ہے جس کو کئی ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا۔

(۱) قلمی تاریخ تذکرے اور دواوین۔ (۲) کلیات و دواوین۔ (۳) تذکرہ جات۔ (۴) تواریخ۔ مجموعی طور سے کم و بیش سو

مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں اس فہرست میں شامل ہیں لیکن ان کی درجہ بندی نظر ثانی کی محتاج ہے ۔ چنانچہ بعض عنوانات مثلاً تذکرہ جات دو جگہ وارد ہوگئے ہیں اور اس کے تحت ایسی کتابیں بھی درج ہو گئی ہیں جن کو تذکرہ قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ جیسے کہ حافظ محمود خاں شیرانی کی کتاب " پنجاب میں اردو " اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی کتاب "علمی نقوش" ۔ علاوہ ان خامیوں کے ، کتابیات مطبوعہ کتابوں کے تمام ضروری کوائف بھی پیش نہیں کرتی ۔ اسی طرح ہا ورق میں جو حوالے درج کیے گئے ہیں ان میں بھی بعض ضروری کوائف کی کمی ہے ۔

(۷)

ایک اور تحقیقی مقالہ ڈاکٹر نسیم آرا سعید (قلمی نام سعدیہ نسیم) کا ہے ۔ جس کا موضوع "اردو صرف و نحو کے تغیرات" ہے ۔ یہ مقالہ معروف محقق ڈاکٹر نجم الاسلام کی نگرانی میں تیار ہوا ہے اور ۱۹۸۵ء میں سندھ یونیورسٹی میں پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے لیے پیش کیا گیا ۔ جس پر ۱۹۸۶ء میں سند عطا کی گئی ۔

صرف و نحو کے تغیرات کا مطالعہ کسی زبان کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے ماہرین لسانیات کا ایک اہم لسانی موضوع رہا ہے ۔ جیسا کہ مقالہ نگار نے اپنے موضوع کو متعارف کراتے ہوئے لکھا ہے :

"زبان ایک نامیاتی شے ہے ۔ تغیر پذیری اس کی فطرت ہے ۔ ماہرین لسانیات یہ دیکھتے ہیں کہ اس تبدیلی کی نوعیت کیا ہے ۔ آخر اس کو ترقی کہیں یا تنزلی ، نیز اس نوع کے مطالعے سے کسی زبان کے آغاز و ارتقا پر یا اس کے مزاج و منہاج پر کیا روشنی پڑتی ہے ۔ مزید برآں اس سے کسی زبان کی خصوصیات کو

سمجھنے میں کیا مدد ملتی ہے"۔ یہ سوالات تشفی بخش طور پر کسی زبان کے معرفی اور نحوی ارتقا کے تحقیقی جائزے کے بعد ہی کیے جا سکتے ہیں۔ ان متعین مقاصد کے پیش نظر مقالہ نگار نے اپنے مطالعے کو دکنی اور شمالی ہند کے اردو لٹریچر تک وسعت دی ہے۔ اور شمالی ہند کے اردو ادب کا جائزہ صرف اس دور تک لیا ہے جب کسی لفظ یا حرف کی صورت یا صورتِ استعمال واضح طور پر متعین ہو گئی اور اس کے بعد شعراء اور ادباء اس کی پابندی کرنے لگے اور اپنے جائزے کے لیے وہی تحریری حالت میں ملنے والے نمونے پیش کیے ہیں جن کا استناد ایک تحقیقی مقالے کے لیے ضروری ہے۔ اس اجمالی تبصرے کے بعد اب مقالے کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے مقدمہ آتا ہے جس میں عمدہ طور پر تحقیق کے موضوع اور مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میدان میں اس وقت تک کے کیے ہوئے کاموں کا اجمالی جائزہ بھی ہے اور اس امر کا اظہار بھی کہ زیر نظر تحقیقی کام کس لحاظ سے جدا نوعیت رکھتا ہے۔ وہ اس موضوع کے جواز کو ثابت کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہیں۔ اس کے بعد چار ابواب میں بالترتیب اسم، ضمیر، فعل، حرف کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس مطالعے کی بنیاد اردو کے مستند نمونے ہیں جو قدماً سے لے کر گذشتہ صدی تک کے زمانے کو محیط ہیں۔ یہ نمونے اسم، ضمیر، فعل، حرف کے باب میں عہد بہ عہد تغیرات کے آئینہ دار ہیں۔ ان نمونوں کو سامنے رکھ کر مقالہ نگار نے اپنی تحقیق کے نتائج پیش کیے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوا تعمیم کی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ کام اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور نتیجہ خیز تحقیقی کام ہے۔ اس مطالعے میں

گو کہ بعض حصے ڈاکٹر شوکت سبزواری کی لسانی تحقیقات کے دائرے میں شامل ہیں، مگر ان کی توجہ زیادہ تر زبان کے آغاز پر رہی جس کی وجہ سے سنسکرت اور پراکرت کی تقابلی لسانیات ان کے تحقیقی کاموں پر حاوی ہو گئی ہے۔ جب کہ زیر نظر مقالے کا میدان کار اردو زبان کا وہ ارتقائی دور ہے، جبکہ زبان کی سیال حالت زیادہ تر ٹھوس حالت میں بدل چکی تھی اور تحریری اردو لٹریچر وجود میں آچکا تھا جو بڑی حد تک دستیاب ہے۔ اس لحاظ سے گو کہ بعض لسانی نتائج میں یہ کام شوکت سبزواری کے کاموں سے اشتراک رکھتا ہے لیکن طریق استدلال اور نمونوں کا فرق صاف ظاہر ہے۔ اس فرق کی وجہ سے اس مقالے کی افادیت اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ پانچواں باب "متفرق نحوی قاعدی" ہے۔ اسی ذیل میں بعض نحوی قواعد میں عہد بہ عہد تغیرات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مقالے کے آخر میں مباحث کا خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے جس سے اس کے تحصیلات، اہم نکات اور مختصات بخوبی سامنے آ جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ایک مشکل لسانی موضوع پر ایک پاکستانی خاتون محقق کا یہ ایک اچھا کام ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ لسانیات کے مشکل میدان میں بھی پاکستانی خواتین اچھا کام کر سکتی ہیں۔

مقالے کے آخر میں ایک تفصیلی کتابیات شامل ہے جس میں مصنف، کتاب، مقام طباعت، سن طباعت سے متعلق کوائف درج کیے ہیں۔ اس میں مصنفوں کے ناموں کی الفبائی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ طباعت کے وقت اس کمی کو دور کیا جانا چاہیے۔ کتابیات

میں ۱۱۴ مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ۱۳ قلمی کتابیں بھی نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں ۶ انگریزی کتابیں بھی اس میں شامل ہیں۔ پاورقی حوالوں میں تمام ضروری کوائف دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم اس کی رسمیات کو بہتر بنانے کی گنجائش موجود ہے۔

کتابیات

مقالات تحقیق :

ثریا صدیقی، ڈاکٹر : "اردو شاعری کا دینی پس منظر"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۸۱ء۔

حسین بانو، ڈاکٹر مسز : "ناسخ اور ان کے تلامذہ"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء

رضیہ سلطانہ، ڈاکٹر : "اسلامی کلچر اردو مرثیے میں"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء

رفعت سلطانہ، ڈاکٹر : اردو نثر پر تصوف کے اثرات"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۸۲ء

شمیم نکہت، ڈاکٹر : "اردو میں قرآنی محاورات"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء۔

کشور سلطانہ، ڈاکٹر : "اردو شاعری میں قرآنی تلمیحات"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی سندھ یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء

نسیم آرا سعید، ڈاکٹر : اردو صرف و نحو کے تغیرات"، مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء۔

مطبوعہ کتب:

۱۔ ابواللیث صدیقی ڈاکٹر : "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری"، لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۵ء۔

۲۔ " " " : "آج کا اردو ادب"، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۷ء۔

۳- اعجاز حسین، ڈاکٹر: "مذہب و شاعری"، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۵ء

۴- انشاءاللہ خاں انشاؔ: (مرتب: مولوی عبدالحق) "کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو ۱۹۷۵ء-

۵- تنویر احمد علوی، ڈاکٹر: "اصول تحقیق و ترتیب متن" دھلی، شعبۂ اردو دھلی یونیورسٹی، ۱۹۷۷ء-

۶- حالی، الطاف حسین: "کلیات نظم حالی" جلد دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء-

۷- حامد حسن قادری: "داستان تاریخ اردو" کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۶ء-

۸- رام بابو سکسینہ: "تاریخ ادب اردو" لکھنؤ، نولکشور پریس، ۱۹۲۹ء-

۹- سلیمان ندوی، سید: "نقوش سلیمانی" کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۷ء-

۱۰- سنیتی کمار چٹرجی: "ہند آریائی اور ہندی" (مترجم عتیق احمد صدیقی) دھلی، ترقیٔ اردو بورڈ، ۱۹۷۷ء-

۱۱- شوکت سبزواری، ڈاکٹر: "لسانی مسائل" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو ۱۹۶۲ء-

۱۲- " " : "اردو لسانیات" کراچی، مکتبہ تخلیق ادب، ۱۹۶۶ء-

۱۳- " " : "داستان زبان اردو" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۶۰ء-

۱۴- شیرانی، حافظ محمود خان: "پنجاب میں اردو" لاہور، مکتبہ معین الادب، ۱۹۷۲-

۱۵- " " " : "مقالات حافظ محمود شیرانی" (جلد اول)، لاہور، مجلس ترقی ادب،

۱۶- عبدالحق ، مولوی : "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۷۷ء-

۱۷- غلام مصطفیٰ خاں ، ڈاکٹر : "علمی نقوش" کراچی، اعلیٰ کتب خانہ، ۱۹۵۷ -

۱۸- " " " : "ہمارا علم و ادب" حیدرآباد ، المصطفیٰ علمی مرکز ، ۱۹۸۵ء-

۱۹- محی‌الدین قادری زور : "ہندوستانی لسانیات" لاہور، مکتبہ معین الادب، ۱۹۶۱ء-

۲۰- ملا وجہی: "سب رس" (مرتب: مولوی عبدالحق) کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۷۷ء-

۲۱- میر امن : "باغ و بہار" لاہور ، حمایت‌الاسلام پریس، ۱۹۶۸ء-

۲۲- مراثی انیس : (جلد اول تا چہارم) مرتبہ نائب حسین نقوی ، لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۶۷ء-

۲۳- میر حسن : "مثنوی سحرالبیان"،لاہور، لاہور اکیڈمی، ۱۹۶۶ء-

۲۴- نجم‌الاسلام ، ڈاکٹر : " دین و ادب " ، حیدرآباد ، ادارۂ اردو ، ۱۹۸۹ء-

۲۵- نورالحسن ہاشمی: "دلی کا دبستانِ شاعری،" کراچی، انجمن ترقیٔ اردو ، ۱۹۴۹ء-

۲۶- ولی دکنی: "کلیات ولی" (مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی)، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۵۴ء-

---